ذبح عظیم کی لطیف تفسیر

(خطبہ عیدالاضحیہ فرمودہ یکم جون ۱۹۹۳ء بمقام ناصر باغ، فرینکفرٹ، جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۴﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۵﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۷﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ؕ

(الصّٰفّٰت: ۱۰۱-۱۰۹)

اور پھر فرمایا:

ان آیات کریمہ میں جس واقعہ کا ذکر ہے حج کے موقع پر اسی واقعہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے واقعات کو یاد کے طور پر دہرایا جاتا ہے اور اس یاد کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے کیونکہ خدا کے دو پاکیزہ بندوں کی ایک ایسی قربانی تھی جس کی مثال دنیا میں کم دکھائی دیتی ہے۔ بظاہر تو شاید دکھائی دے کیونکہ انسانی قربانی کا رواج اس سے بہت پہلے سے چلا آ رہا تھا لیکن جس

خلوص اور جس تقویٰ کے ساتھ ایک مقدس باپ اور اس کے مقدس بیٹے نے خدا کے حضور سر تسلیم خم کیا ہے اور کامل رضا اور رغبت کے ساتھ اس کی رضا کے سامنے اپنی رضا کو قربان کر دیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر دنیا کے پردے پر اور کہیں دکھائی نہیں دیتی اور یہ ایک ہی واقعہ ہے جس کو قرآن کریم نے تاریخ عالم میں سے ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنے کے لئے چنا اور نہایت ہی پُر درد انداز میں اس کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ابراہیمؑ نے یہ دعا کی یعنی جو آیت میں نے شروع کی ہے اس میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر نہیں مگر مضمون چل رہا ہے اور مراد حضرت ابراہیمؑ ہی ہیں تو یوں کہیں گے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اے میرے رب! مجھے صالحین میں شمار ہونے والی اولاد عطا فرما فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی۔ یہاں بیٹے کا نام تو نہیں بیان فرمایا لیکن بیٹے کی ایک صفت بیان فرمائی ہے جو اسے دوسرے بیٹے سے الگ کرتی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت اسحٰقؑ کے ذکر کے ساتھ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الذاریات: ۲۹) کا ذکر ملتا ہے یعنی صفت علیم کے ساتھ حضرت اسحٰقؑ کا نام بیان ہوا ہے اور حضرت اسماعیلؑ حلیم تھے اس لئے ان کی صفت حلیم بیان ہوئی ہے اور یہ دو الگ الگ بیٹوں کا ذکر ہے اور آپ کا حلم اس وادیٔ غیر ذی زرع میں ایسے آزمایا گیا ہے کہ شاید ہی کبھی کسی باپ کے بیٹے کا حلم اس طرح آزمایا گیا ہو۔ پس قرآن کریم فرماتا ہے ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی جو بہت ہی حوصلے والا، بہت برداشت والا، بہت ہی صبر والا بیٹا ہوگا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے لگا۔ یہ عمر عموماً ۷ سے لے کر ۱۱، ۱۲ سال تک شمار کی جاسکتی ہے کہ جب بیٹا باپ کے پیچھے پیچھے یا ساتھ ساتھ نسبتاً تیز قدموں کے ساتھ دوڑتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔ فرمایا اس وقت جب اس عمر کو پہنچ گیا تو باپ نے بیٹے سے کہا يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ اس کا ترجمہ جو تفسیر صغیر میں درج ہے وہ یہ ہے۔ اے میرے بیٹے! میں نے تجھے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اور عموماً تراجم میں یہی ترجمہ ملتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن یہاں جو عربی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ رَءَیْتُ نہیں ہیں بلکہ اَرٰی ہیں۔ اس سے برعکس سورۃ یوسف میں جہاں

حضرت یوسفؑ اپنی خواب اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں وہاں اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا کے الفاظ ہیں اے میرے باپ! میں نے خواب میں دیکھا۔ جب اَرٰی کے لفظ استعمال ہوتے ہیں تو اس سے ایک اور مضمون ذہن میں ابھرتا ہے کہ میں یہ خواب دیکھتا ہوں اور بعید نہیں کہ یہ اس لئے استعمال کئے گئے ہوں اَرٰی کے الفاظ کہ یہ خواب بار بار حضرت ابراہیمؑ نے دیکھی ہو۔

ہوسکتا ہے کہ اس رؤیا کے نتیجے میں آپ نے وہ وادیٔ غیر ذی زرع کا سفر اختیار فرمایا اور ایک رنگ میں اس رؤیا کو پورا کر دیا ہو اور پھر مسلسل بار بار یہ خواب دکھلائی جاتی رہی ہو جس سے آپ کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید میں نے اس خواب کو من وعن پورا نہ کر کے اللہ تعالیٰ کے منشا کو پوری طرح قبول نہیں کیا۔ پس اَرٰی کے لفظ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ خواب، یہ رؤیا ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ دکھائی گئی ہوگی۔ بہر حال جب بیٹے کو مخاطب کرتے ہیں تو یٰبُنَیَّ کے الفاظ ہیں۔ اے میرے بہت پیارے بیٹے! میں خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی پس بتا تو سہی تیرا کیا خیال ہے؟ کیا ہونا چاہئے؟ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اس نے جواب دیا۔ اے میرے پیارے ابا! جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کر۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ تو یقیناً مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ میں اس موقع پر کوئی بے صبری نہیں دکھاؤں گا۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ یہاں یہ نہیں فرمایا فلما اسلم یعنی پس جب بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا بلکہ بہت ہی خوبصورت ایک خراج جسے کہتے ہیں، ایک تعریف کا کلمہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے مقدس بیٹے دونوں پر برابر صادق آتا ہے۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا پس جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا، جب دونوں خدا کے حضور اسلام لے آئے۔ وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔

اس میں یہ نفسیاتی حکمت پیش نظر ہے کہ ذبح کے وقت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیٹے کو نہ دیکھیں۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے دل کی نرمی کو بھی ظاہر کرتا ہے اور جتنا وہ نرمی قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے اور بار ہا اس کا ذکر ہے۔ اتنا ہی یہ نرمی قربانی کو عظیم کر دیتی ہے۔ ایک شقی القلب باپ اگر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو جائے تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ کئی شقی القلب مائیں بھی ایسی ہوا کرتی ہیں جو اپنے بچوں کا سر دیواروں کے ساتھ ٹکرا کر پھاڑ دیتی ہیں اور ایسے واقعات آجکل بھی یورپ اور

امریکہ میں بالعموم رونما ہوتے رہتے ہیں مگر قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے آپؑ بے حد نرم دل تھے، بہت ہی رقیق القلب تھے۔ پس اس آیت میں اس بات کی بھی مزید تصدیق فرمائی ہے کہ سامنے لٹا کر دیکھ نہیں سکتے تھے اس لئے پیشانی کے بل لٹایا تا کہ بیٹے کو بھی تکلیف نہ ہو۔ اس کو نہ پتہ لگے کہ کب چھری پھیری جائے گی۔

فرمایا اسوقت وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تب ہم نے ابراہیمؑ کو پکار کر کہا اے ابراہیم! تو نے اپنی رؤیا پوری کر دی ہے۔ تُو تو پوری کر چکا ہے۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا کا مطلب ہے تُو تو پہلے ہی یہ خواب پوری کر چکا ہے۔ پس اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے یعنی سفر اختیار کرنے سے پہلے بھی حضرت ابراہیمؑ نے ایک رؤیا دیکھی ہوگی اس کی تعبیر کی اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا ضمیر بہت منور تھا غیر معمولی طور پر روشن تھا اس لئے آپؑ نے یہی تعبیر کی ہوگی کہ خدا تعالیٰ باپ سے بیٹے کی ظاہری قربانی نہیں لینا چاہتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو قربان کرو، میری راہ میں فدا کر دو، میری راہ میں وقف کر دو۔ پس جب آپؑ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ اور حضرت اسماعیلؑ کو لے کر وادیٔ غیر ذی زرع بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑنے کے لئے روانہ ہوئے تو وہ خواب دراصل اسی وقت پوری ہو چکی تھی لیکن بعد میں پھر دکھائی جاتی رہی ہے۔ یہ کیوں ایسا ہوا؟

میں سمجھتا ہوں کہ دراصل لفظ اسلما میں اس حقیقت کو سمجھنے کا راز ہے سمجھنے کی کنجی ہے۔ خدا تعالیٰ صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کے اسلام کی عظمت کو بیان نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام کو بھی اس عظیم قربانی میں پوری طرح شامل کر کے ہمیشہ کے لئے آپ کے اسلام کی بھی تصدیق فرمانا چاہتا تھا کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی پشت سے وہ نسل جاری ہوئی جس میں بالآخر حضرت سید ولد آدم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے پیدا ہونا تھا۔ پس صرف ابراہیم علیہ السلام کی غیر معمولی تسلیم و رضا کی صفت بیان کرنا کافی نہیں تھا اور محض ابراہیمؑ کی آزمائش کافی نہیں تھی اس بیٹے کی خصوصیت کے ساتھ آزمائش بھی ضروری تھی۔ جس کی نسل سے سب سے زیادہ تسلیم و رضا کا بندہ جو مجسم تسلیم و رضا تھا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ، اس بندے نے پیدا ہونا تھا۔ پس اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اَرٰی کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ رؤیا پھر بھی دکھائی جاتی رہی۔ گو اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ابراہیمؑ نے یہ رؤیا

پوری کر دی مگر اس رؤیا پوری کرنے میں ابھی اسماعیلؑ کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ حضرت اسماعیلؑ تو اپنے باپ کی رضا کے تابع ایک پاکیزہ زندگی گزار رہے تھے لیکن اس آزمائش میں ساتھ شامل نہیں تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا فَلَمَّآ اَسْلَمَا کہ جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کیا۔ پس اس رؤیا کے دکھائے جانے سے اور بار بار دکھائے جانے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ خلش پیدا ہوئی کہ شاید میں ابھی اس رؤیا کو پوری نہیں کر سکا چنانچہ آپؑ نے انتظار فرمایا۔ یہاں تک کے بچہ بڑا ہو جائے اور اس قابل ہو جائے کہ اپنا فیصلہ خود کر سکے۔ یہ بھی نبوت کا نور فراست ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خصوصیت سے جو عطا کیا گیا تھا آپؑ جانتے تھے کہ قربانی کا حکم ابراہیم خود مجھے یعنی ابراہیمؑ کو ہے لیکن انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی اور انسان کی جان کی قربانی پیش کرے خواہ وہ اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو پیش نظر رکھ کر جماعت احمدیہ میں وقف کا نظام جاری ہوا ہے اور یہ اصرار کیا جاتا ہے کہ محض باپ کا یا ماں کا یا دونوں کا اپنی اولاد کو وقف کرنا کافی نہیں۔ یہ سارے واقفین نو بچے جب بڑے ہوں گے، جب بلوغت کی عمر کو پہنچیں گے جو اسماعیلؑ کی عمر کے مشابہ ہوگی تو پھر ان سے پوچھا جائے گا۔ اگر کامل رضا و رغبت کے ساتھ انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور اپنے ماں باپ کی قربانی میں شامل ہوئے تو پھر ان کا وقف قبول ہوگا۔ یہ وہ دوسری منزل ہے جو اکثر بچوں کی زندگی میں ابھی آنے والی ہے اللہ تعالیٰ سب کو یہی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ماں باپ کی طرح خدا کے حضور سر تسلیم خم کر سکیں۔

پس یہ وہ مضمون ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا پوری کرنے کے باوجود اور پوری شرح صدر سے رؤیا پوری کرنے کے باوجود کیوں دوبارہ یہ بات چھیڑی؟ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ خلش ہو کہ میں نے کہیں یہ بات ٹال نہ دی ہو۔ وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنے معصوم بچے کو اور اس کی والدہ کو چھوڑ کر میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں نے رؤیا پوری کر دی لیکن شاید نہ پوری کی ہو لیکن یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تسلیم و رضا کی صفت کے عظمت کے منافی بات ہے۔ بعد میں مَیں نے غور کیا تو مجھے سمجھ آئی کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کوئی ایسا فعل خدا کی رضا کی خاطر کیا ہو جس کے بارے میں خود وہ شک رکھتے ہوں کہ شاید میں نے پورا کر دیا یا نہ کیا۔ پس رؤیا کی تکرار ہے جس نے اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہوگا ایک ہی رؤیا دو بار یا تین بار یا زائد بار دکھائی گئی ہے جس پر وہ کہتے ہیں اِنِّیْٓ اَرٰی میں ایک رؤیا دیکھتا ہوں اور

وہ یہ ہے۔ اس بار بار کے نظارے نے آپؑ کو مجبور کیا ہے یہ سوچنے پر کہ میں نے تو پوری شرح صدر کے ساتھ، پوری رضا و رغبت کے ساتھ اس رؤیا کا پیغام پورا کر دیا تھا جو مجھے بھیجا گیا لیکن پھر بھی کوئی بات رہ گئی ہے۔ شاید میرا یہ فیصلہ درست نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی نفسی قربانی یعنی انسان کی بدنی قربانی لینا بند فرما چکا ہے۔ پرانے زمانوں میں اس کا ذکر ملتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے ابراہیم علیہ السلام کے روشن ضمیر پر یہ بات واضح تھی کہ اب انسان کی بدنی قربانی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

تو یہ شک ان کو گزرا پھر کہ رؤیا جو بار بار دکھائی جا رہی ہے تو ہو سکتا ہے بدنی قربانی ہی مراد ہو لیکن اس کے باوجود یقین رکھتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کے ایک باپ کو خدا تعالیٰ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی اجازت دے جب تک اس بیٹے کی مرضی شامل نہ ہو اور مرضی کے شامل ہونے کا پتہ بہت بچپن میں نہیں لگ سکتا۔ چھوٹا معصوم بچہ اپنے بارے میں کیا فیصلہ کر سکتا ہے؟ پس معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے انتظار فرمایا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اس عمر کو پہنچ جائیں جو بلوغت کی سرحد پر ہوتی ہے یا بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے ہوں گے اور یہ فیصلہ کر سکتے ہوں گے کہ ہاں میں اپنی زندگی خدا کی راہ میں پیش کر دوں اور جب یہ واقعہ ہوا تب اللہ نے فرمایا اَسْلَمَ دیکھو یہ دونوں بندے خدا کے حضور جھک گئے اور کامل رضا کے ساتھ جھک گئے، اپنا سب کچھ اپنے رب کے حضور پیش کر دیا۔ تب وہ رؤیا اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔ پس جب بعد میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تُو تو ہر پہلو سے اس رؤیا کو پورا کر گیا ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب تو نے ہجرت کی اس وقت بھی تو نے رؤیا کو پورا کر دیا اور ایک اب وقت ہے جب ظاہری طور پر تُو بھی تیار ہوا اور تیرا بیٹا بھی اس قربانی کے لئے تیار ہوا۔ تو کامل شان کے ساتھ اپنے ہر پہلو کے ساتھ تو نے اس رؤیا کو پورا کر دیا لیکن یہ تو محض ایک آزمائش تھی۔ میں تیرے بچے کو بھی اس آزمائش میں شامل کرنا چاہتا تھا تا کہ ہمیشہ کے لئے زمین و آسمان گواہ رہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے آباؤ اجداد ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں ہی تسلیم و رضاء میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔

یہ وہ وجہ تھی کہ اس رؤیا کو دوبارہ یا سہ بارہ یا بار بار دکھایا گیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی رضا کے مطابق اس کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہوئے پھر قربانی کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو ٹال دیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مینڈھا جو جنگلی مینڈھا تھا وہ قریب کی ایک

جھاڑی میں پھنس گیا کیونکہ جنگلی مینڈھوں کے بعض دفعہ بل کھائے ہوئے بڑے بڑے سینگ ہوتے ہیں اور ان کا جھاڑی میں پھنسنا کوئی بعید بات نہیں۔ بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ وہ جھاڑیوں میں پھنس جاتے ہیں وہ مینڈھا خدا کی تقدیر سے ادھر ہانک کر لایا گیا اور اس جھاڑی میں پھنس گیا۔ تب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ مینڈھا ہے اس قربانی کے لئے اور ظاہری طور پر اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس مینڈھے کو قربان کر دو۔

اس سلسلے میں میں پہلے بھی یہ ذکر کر چکا ہوں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اور ہم نے ایک ذبح عظیم کے ذریعہ اس کا فدیہ دیا ہے۔ مینڈھے والی بات جو روایات میں ملتی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے، اس پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور ہرگز بعید نہیں کہ اسی کی یاد میں یہ عیدالاضحیہ کی قربانیاں دی جاتی ہیں لیکن اسے ذبح عظیم نہیں کہا جا سکتا۔ اسماعیلؑ کے مقابل پر ایک مینڈھا ذبح ہوا سے کیسے ذبح عظیم کہہ سکتے ہیں؟ مینڈھے کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اسماعیلؑ کے مقابل پر اور پھر اسماعیلؑ بھی انسانوں میں سے ایک بڑی شان کا انسان جو اس درجۂ کمال تک تسلیم و رضا میں ترقی کر گیا۔ چھوٹی عمر میں، ابھی چھوٹی عمر تھی جب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اے باپ! جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے کر۔ تو مجھے کامل طور پر صابروں میں سے پائے گا۔ بہت عظیم قربانی تھی! اس کے بدلہ مینڈھے کو ذبح کرنا ذبح عظیم کیسے ہو گیا؟ پس یقیناً ذبح عظیم سے مراد حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور ان لوگوں کی قربانیاں ہیں جو آپؐ کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے واقعۃً خدا کی راہ میں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی گردنیں کٹا دیں اپنی ہر ذاتی تمنا اور خواہش کو قربان کر دیا اپنی ہر بدنی آسائش کو قربان کر دیا۔ جو کچھ ان کے پاس تھا خدا کے رستہ میں لا ڈالا اور اُف نہیں کی۔ یہ جو قربانیاں تھیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے غلاموں کی، یہ ذبح عظیم ہیں۔ تو وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ سے مراد یہ ہے کہ ایک بہت ہی عظیم الشان ذبح ہونے والا تھا جسے ذبح عظیم کا نام دیا گیا ہے۔ مکے کے میدانوں نے ایک عجیب قربانی کا عالم دیکھنا تھا، وہ ذبح عظیم ہے جس کے بدلے ہم نے اس کی جان کو معاف کر دیا ہے، اس کو فدیہ دے دیا ہے اور ایک قربانی ایک عظیم تر قربانی پر منتج ہونے والی ہے۔

پس یہ ہے وہ خلاصہ جو ان آیات کی تلاوت سے، ان پر غور کرنے سے میں سمجھتا ہوں اور

مختلف جگہ مختلف مضامین میں اس کا جستہ جستہ ذکر ملتا ہے لیکن اس روایت کے سمجھنے میں اور ان آیات کی تفسیر میں مفسرین میں بہت سے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کس عمر میں حضرت اسماعیلؑ کو وہاں لے کر آئے؟ حضرت مصلح موعودؓ کی تفاسیر میں یا عید کے خطبات میں بھی یہ اختلاف ملتا ہے لیکن یہ اختلاف جو آپؓ کے ہاں ملتا ہے وہ دراصل عمر کے ایک ہی زمانے سے تعلق رکھنے والا اختلاف ہے، کوئی تضاد نہیں ہے۔ مثلاً حضرت مصلح موعودؓ آپ کی عمر سات آٹھ سال بھی بیان کرتے ہیں آٹھ دس سال بھی بیان کرتے ہیں، گیارہ بارہ سال بھی بیان کرتے ہیں لیکن وجہ یہ ہے کہ آپؓ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کے پیش نظر یہ تعبیر کر رہے ہیں اسرائیلی روایات یا بائبل کی روایات کے پیش نظر یہ تعبیر نہیں فرما رہے آپؓ واضح طور پر یہ یقین رکھتے ہیں۔ آپ کے خطبات سنیں یا تفسیر کو پڑھیں کہ قرآن کریم کا یہ بیان بہر حال سچا ہے کہ جب اسماعیلؑ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑنے پھرنے اور کچھ ظاہری طور پر مدد کرنے کی عمر کو پہنچا ہے۔ تو آپؓ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ یہ عمر سات آٹھ سال کی بھی ہوسکتی ہے، اس سے کچھ زیادہ بھی ہوسکتی ہے، گیارہ بارہ سال کی بھی ہوسکتی ہے مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان سب میں سے گیارہ بارہ تیرہ والی عمر جو ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اگر حضرت ابراہیمؑ اس غرض سے انتظار فرما رہے تھے کہ بچے کی سوچ بلوغت تک جا پہنچے، وہ اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ پوری ذمہ داری سے کرسکتا ہو تو سات آٹھ سال کی عمر تو پھر بھی بہت چھوٹی عمر ہے۔ اس میں کسی باپ کا بچے کو کہنا کہ تم اپنی زندگی اور موت کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟ یہ فی الحقیقت اس بچے کا حق ادا کرنے والی بات نہیں بلکہ اس پر ایک فیصلہ ٹھونسنے والی بات ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ جو زمانہ بیان ہوا ہے ساتھ دوڑنے پھرنے اور محنت کرنے کا یہ حقیقت میں بارہ تیرہ چودہ سال تک بھی ممتد ہوسکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بچے ماں باپ کے ساتھ دوڑتے پھرتے کام کرتے ہیں اگرچہ پوری طرح مشقت کے اہل نہیں ہوئے ہوتے۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعید نہیں کہ بارہ سال کی عمر تک یا تیرہ سال کی عمر تک انتظار فرمایا ہو اور پھر یہ واقعہ ہوا ہو۔ اس معاملے میں جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ کو اطمینان تھا مجھے بھی قطعی اطمینان ہے کہ یہی وہ عمر تھی جس میں یہ قربانی لینے کے متعلق رضا حاصل کرنے کا سوال اٹھا ہے لیکن اس معاملہ میں بہت سے اور اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جن کا مختصراً ذکر کرنا ضروری ہے

تا کہ عامۃ الناس میں جو باتیں مشہور ہیں اس کی حقیقت آپ کے سامنے آئے اور آپ کو معلوم ہو کہ اہل علم اس بارے میں کیا کیا اختلاف کر چکے ہیں؟

مفسرین کے سامنے بہت بڑی مشکل یہ پیش آئی ہے کہ جہاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی روایات ملتی ہیں یعنی بخاری شریف میں اس واقعہ کا جو ذکر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس میں چھوٹی عمر دکھائی گئی ہے جو دودھ پیتی عمر ہے اور دودھ پیتی عمر میں اگر یہ واقعہ تسلیم کیا جائے تو ان کے رستہ میں یہ مشکل حائل ہے کہ بائیبل حضرت اسماعیلؑ کی عمر اور حضرت اسحاقؑ کی عمر کا جو فاصلہ بتاتی ہے وہ تقریباً پندرہ سال کے قریب ہے، پندرہ سولہ سال۔ اور بائیبل سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے بعد ہوا ہے۔ یعنی اسماعیلؑ کا اور ان کی والدہ کا گھر سے نکالا جانا یعنی حضرت سارہ کی طرف سے گھر سے نکالا جانا۔ یہ اس وقت ہوا ہے جب حضرت سارہ کے ہاں اپنا بیٹا اسحاق پیدا ہو چکا تھا اور بائیبل سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت جب جشن منایا گیا اس کی خوشی میں تو حضرت اسماعیلؑ باہر ہنس کھیل رہے تھے اور حضرت سارہ کو یہ بات بہت بری لگی اور آپ نے حضرت ابراہیمؑ سے شکوہ کیا کہ یہ دیکھو یہ ٹھٹھے کر رہا ہے اور میں برداشت نہیں کر سکتی کہ یہ بھی اسی گھر میں رہے۔ (پیدائش باب ۲۱) اس لئے بائیبل کی رو سے جو واقعہ ہے وہ اس نوعیت کا ہے کہ احادیث کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

مفسرین نے بائیبل کے واقعات کو درست تسلیم کرتے ہوئے احادیث کی کوئی اور توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ دراصل یہ اسرائیلیات ہیں جو اسرائیلی روایات ہیں جو ابن عباسؓ نے بیان کی ہیں اور یہ روایات مرفوع نہیں ہیں یعنی بخاری میں جو روایت حضرت عباسؓ نے بیان فرمائی ہے وہ حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ تک مرفوع نہیں ہے بلکہ الفاظ ایسے مبہم ہیں جن سے اندازہ یہ لگایا گیا کہ آنحضرتؐ نے خود یہ بات فرمائی ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان روایات کو جو آپ نے سنی ہوئیں تھیں بیان کیا ہے اور سننے والے نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ بات حضرت رسول اکرمؐ نے بیان فرمائی ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کا سفر یہ اس زمانے میں بنے گا جب کہ حضرت اسماعیلؑ کی عمر تقریباً سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی اور اس وقت ان کو اتنا چھوٹا بچہ شمار کرنا جیسا کہ روایات میں ملتا ہے یا ایک جگہ گر کر ایڑیاں رگڑنا یہ بعید از قیاس بات

معلوم ہوتی ہے۔قابل فہم بات نہیں ہے۔آنحضرتؐ نے جو بیان فرمایا یا جو ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے آنحضرتؐ ہی سے روایت کی ہوگی۔اس میں بالکل مختلف مضمون ہے جو ہمارے ذہنوں کے ساتھ ایک مطابقت رکھتا ہے، ہمارے قلوب کے ساتھ ایک ہم آہنگی اختیار کر چکا ہے اور ہم حضرت اسماعیلؑ کو ایک چھوٹی عمر میں خانہ کعبہ کے پاس ایڑیاں رگڑتے ہوئے سوچنے کے ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ اس مضمون سے جدائی اختیار کرنا ایک بہت بڑی جذباتی قربانی معلوم ہوتی ہے اور سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

بائیبل کہتی ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال تھی۔ (پیدائش باب ۱۶ آیات :۱۵۔۱۶) بائیبل کہتی ہے جب حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو برس تھی۔ (پیدائش باب ۱۷) تو پندرہ سولہ برس تک تو وہ وہیں رہے اس لئے اس کا حل کیا ہے؟ اول بات تو یہ آپ کو پیش نظر رکھنی چاہئے کہ بائیبل نے جو تاریخیں بیان کی ہیں اور عمریں بیان کی ہیں یہ اتنی نا قابل اعتماد ہیں اور اتنا ان میں مبالغہ پایا جاتا ہے کہ کسی روایت کو خواہ وہ مرفوع ہو یا غیر مرفوع ہو ان واقعات کی روشنی میں غیر حقیقی سمجھنا جو بائیبل نے بیان کی ہیں یہ درست طرز عمل نہیں ہے۔یہ غیر محققانہ طریق ہے کیونکہ اگر بائبل کی بیان کردہ انبیاء کی عمروں کو آپ سچ سمجھ لیں اور جو جو واقعات انہوں نے مختلف عمروں سے باندھے ہوئے ہیں تو ساری تاریخ انسانی میں ایک افراتفری کا عالم پیدا ہو جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ حساب لگا کر دیکھا حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نوحؑ تک جو عمریں بیان ہوئی ہیں وہ ایسی حیرت انگیز عمریں ہیں کہ اکثر نبی ایک ہی زمانے میں زندہ ہیں جو آٹھ آٹھ سو سات سات سو تک عمریں پاتے ہیں اور سو سال کے بعد بیٹا پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نبی بن جاتا ہے پھر اس کی ڈیڑھ سو سال کی عمر میں ایک بیٹا پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نبی بن جاتا ہے اور پھر ان کے انکار ہو رہے ہیں۔تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی، ہر نبی نہ سہی پانچ سات نبی ایک وقت میں زندہ تھے، ان کے زمانوں ہی میں شرک بھی پیدا ہوئے، ان کے زمانوں میں ہی نئی نبوت کی ضرورت محسوس ہوئی۔عجیب و غریب افراتفری کا عالم ہے! پھر میں نے دیکھا کہ حضرت نوحؑ کا جو طوفان آیا ہے اس وقت تک بائیبل کی بیان کردہ عمروں کے لحاظ سے آپؑ کے دادا کو زندہ ہونا چاہئے تھا۔اگر طوفان نوح کے وقت حضرت نوحؑ کے دادا زندہ تھے تو اس بیچارے معمر بزرگ کو

کیوں پیچھے چھوڑ دیا؟ ان کا تو کہیں ذکر نہیں ملتا کہ کشتی میں ان کو بھی سوار کیا گیا ہو۔ کیا وہ بزرگ دادا آپ کے منکرین میں داخل ہو گئے تھے؟

پس بائیبل کی تاریخوں کو اتنی اہمیت دینا جب کہ سو فیصدی قطعیت کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا بائیبل کے بیان کو لوگوں نے سمجھا نہیں اور عمروں سے کچھ اور مراد ہے، زمانے مراد ہونگے یا وہ روایتیں قطعاً جھوٹی اور فرضی ہیں، ان کا خدا تعالیٰ کے کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لکھنے والوں نے اپنی طرف سے لمبی لمبی عمریں لکھنا شروع کیں اور لکھنے والے ایک دوسرے پر اس معاملہ میں سبقت لے جانے لگے۔ پس اس پس منظر میں حضرت ابراہیمؑ کی جو عمر بیان کی گئی ہے کہ پچاسی سال میں فلاں بیٹا پیدا ہوا یا سو سال میں فلاں بیٹا پیدا ہوا اور حضرت ہاجرہ کی عمر اتنی تھی اور حضرت سارہ کی عمر اتنی تھی یہ ساری باتیں فرضی باتیں نا قابل اعتماد باتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ورنہ پھر بائیبل کی باقی تاریخوں کو بھی اسی طرح سنجیدگی سے صحیح قبول کرنا پڑے گا۔

پس قرآن اور حدیث کے قطعی بیانات کے سامنے ان روایتوں کو اہمیت دینا اور ان کے نتیجے میں احادیث کی دوسری تشریحیں کرنا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ قطعی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں جب یہ فرمایا ہے کہ جب وہ اس عمر کو پہنچا تو وہ عمر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک خاص عمر بنتی ہے۔ اس سے پہلے آپؑ ہجرت کر چکے تھے۔ رؤیا کا جس طرح مضمون بیان فرمایا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپؑ ہجرت کر چکے تھے۔ یہ جو بتایا گیا ہے کہ حضرت سارہ کو رقابت اس وقت پیدا ہوئی جب اپنا بیٹا پیدا ہو چکا تھا اس وقت ان سے جھگڑا کیا اور نکلنے کا حکم دیا۔ یہ روایت بھی معقول نظر نہیں آتی اصل جب ایک ماں کی گود بھر جاتی ہے اس وقت وہ سوکن کے خلاف نہیں بھڑکا کرتی۔ اس وقت اس کے دل میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب ایک ماں کی گود خالی ہو اور اس کی سوکن کی گود بھری ہو تب وہ جیلس (Jealous) ہو تب اس میں رقابت بھڑکے۔ پس ہرگز بعید نہیں کہ اصل واقعہ یوں ہوا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں جب خدا نے پہلا بیٹا عطا فرمایا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت حضرت سارہ کو شدید تکلیف پہنچی ہے حالانکہ حضرت سارہ کی اجازت سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ شادی کی تھی۔ اور وہ اس قدر شدت اختیار کر گئی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ابھی چھوٹے تھے کہ آپؑ کو وہاں سے

نکلنا پڑا۔ پس ایک اور روایت بائیبل کے بیان میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ واقعۃً چھوٹی عمر میں ہی ایسا ہوا ہے کیونکہ جو روایت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکیزے کے ساتھ بیٹا بھی ماں کو تھما دیا ہے گویا ماں نے وہ بیٹا اٹھایا ہے۔ اس کے بعضوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اٹھانے کے ضمیر صرف مشکیزے کی طرف جاتی ہے لیکن عبارت اس نوعیت کی ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ بیٹے کو بھی گود میں تھمانے کا مضمون نکلتا ہے بلکہ اغلب یہی ہے۔

تو بائیبل خود اپنے بیانات کے ساتھ متضاد ہے اس کے مخالفانہ بیان بھی دیتی ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے متعلق میں جماعت کے محققین کو دعوت دینا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں تحقیق کریں اور مزید تحقیق کریں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو جو بخاری میں درج ہے اس کو اسرائیلیات کہہ کر رد کرنا بہت بڑی جرأت ہے، بہت بڑا فیصلہ ہے۔ میں ایسی جرأت نہیں رکھتا جب تک قطعی طور پر شواہد سے ثابت نہ ہو کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کہہ ہی نہیں سکتے تھے یہ قطعی طور پر شواہد کے خلاف ہے اس وقت تک قطعی طور پر احادیث کی کوئی اور تفسیر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے جماعت کے محققین کو چاہئے کہ پتہ تو کریں کہ جب کہا جاتا ہے اسرائیلیات تو کون سی اسرائیلیات ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان پر بنا کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دی کہ سننے والوں نے سمجھا کہ آپؓ نے منسوب کی ہے؟

واقعہ جو بھی ہوا ہو اس کی روح وہی ہے جو ان آیات میں بیان فرما دی گئی ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا جو بیٹا قربانی کے لئے چنا گیا وہ اسماعیلؑ تھا اور جیسا کہ دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت اس ماں اور بیٹے کو حضرت ابراہیمؑ پہلی بار چھوڑ کر جا رہے ہیں اس وقت آیات قرآنی سے بھی یہی استنباط ہوتا ہے کہ بچہ بہت چھوٹی عمر کا تھا ایسی عمر کا تھا کہ ایک طرف پڑا ایڑیاں رگڑتا تھا۔ ایسی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہلو سے اسے قربان کر دیا مگر قربانی کا جو پہلو باقی تھا اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک انتظار کروایا جب تک کہ حضرت اسماعیلؑ کو بھی اس قربانی میں برابر باپ کا حصہ دار بنا دیا اور جب برابر باپ کا حصہ دار بنا دیا پھر فرمایا فَلَمَّآ اَسْلَمَا کہ دیکھو یہ دونوں میرے بندے، باپ اور اس کا بیٹا، کس طرح میرے حضور کامل طور پر جھک گئے؟ کس طرح اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو بیٹھے؟

پس اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ ہمیں بھی آج اسی قربانی کے دور کو دوبارہ اپنے اعمال میں زندہ کرنا ہوگا۔ اسی شان کے ساتھ اور اسی گہری روح کے ساتھ اور فراست کے ساتھ۔ اپنے بیٹوں کو بچپن سے تیار کرنا ہوگا کہ جس قربانی کی آپ ان سے تمنا رکھتے ہیں وہ پوری طرح اس میں شامل ہوں یہاں تک کہ آسمان سے ہر باپ اور بیٹے کے لئے یہ آواز بلند ہو فَلَمَّآ اَسۡلَمَا اور یہ ذبح عظیم ہے جس میں آج آپ بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ بکریوں کی قربانیاں، یہ بھیڑوں کی قربانیاں تو ایک ظاہری تمثیل ہے، ظاہری مثال ہے۔ اصل ذبح عظیم تو وہی تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے غلاموں نے کر دکھایا پھر اب آخرین کا یہ دور ہے جس میں ایک دوبارہ از سر نو ذبح عظیم کا ایک نظام جاری ہو گیا ہے۔ ہزار ہا کی تعداد میں جو واقفین نو آج جماعت نے خدا کے حضور پیش کئے ہیں یہ وہی حضرت اسماعیلؑ کی یاد ہی میں تو پیش کیے جا رہے ہیں، یہ سب اس ذبح عظیم میں شامل ہیں۔ پس آپ ایسی تربیت کریں جیسی ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کی کی تھی۔ جب یہ سن بلوغت کو پہنچیں، جب آپ کے ساتھ کاموں میں شامل ہونے لگ جائیں، جب کوشش کرنے کی عمر تک پہنچیں اس وقت جب ان سے پوچھا جائے تو آپ کو یہی جواب دیں کہ اے ہمارے باپ! جو آپ نے خدا کی رضا کی خاطر کیا ہے ہم بھی اس پر راضی ہیں۔ شوق سے چاہیں تو ہماری گردنوں پر چھریاں پھیر دیں۔ ہمیں آپ صبر کرنے والے بندوں میں سے پائیں گے۔

اس مضمون کے بیان کے بعد، اس نصیحت کے بعد میں اب آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ اسیران راہ مولیٰ اور شہیدان احمدیت کی اولادیں اسی ذبح عظیم میں داخل ہیں اور اول طور پر داخل ہیں۔ ان کو خصوصیت کے ساتھ اس قربانی کی عید میں یاد رکھیں۔ آپ بھی یہ قربانی پیش کر رہے ہیں اور دن رات کر رہے ہیں لیکن قربانی کی بھی صفیں ہوا کرتی ہیں اور قربانی کی صف اول میں وہ شہداء احمدیت ہیں جو اپنے مسلک سے ہٹتے تو اپنی جانیں بچا سکتے تھے مگر آخر وقت تک کامل صدق وصفا کے نمونے دکھائے اور ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر قدم مارے۔ اپنی جانیں خدا کے حضور پیش کر دیں لیکن ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اپنی اولادوں کے متعلق بھی سوچا، اپنی بیواؤں کے متعلق بھی سوچا، کوئی پرواہ نہیں کی۔ پس ذبح عظیم میں صف اول میں وہ لوگ ہیں اور پھر وہ اسیران راہ مولیٰ ہیں جو سال ہا سال سے قید کی مشقت میں زندگی کاٹ رہے ہیں اور سلاسل میں باندھے جاتے ہیں۔ کئی بار ان کو بیڑیاں پہنائی

گئیں، کئی بار ان کو اندھیری کوٹھڑیوں میں رکھا گیا مگر جب بھی مجھے خط لکھتے ہیں مجھے تسلیاں دیتے ہیں، میرے متعلق فکر مند رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کی آواز بھرا جاتی ہے ہمارے ذکر پر تو ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ خدا کے لئے آپ خوش رہیں ہم راضی ہیں، ہم بالکل ٹھیک ہیں، ہم پورے حوصلہ میں ہیں۔

پس یہ بھی ایک ذبح عظیم ہے جس کے نمونے ہم نے آج اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے ہیں۔ آپ سب ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور درد دل سے ان کے لئے دعائیں کریں۔ اللہ ان کے امتحان کا دور ختم کر دے۔ وہ ابتلا کا دور ختم ہو اور پھر خوشیوں کی عید ہم دیکھیں جو قربانیوں کے بعد آیا کرتی ہے۔ اس عید میں ساری جماعت شامل ہو اور تمام بنی نوع انسان وہ عظیم قربانی کی عید ہمارے ساتھ منائے جو محمد رسول اللہؐ کی آخری فتح کے بعد عید ہوگی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں آپ کی طرف سے اور اپنی طرف سے ان سب کو جو ہم سے دور ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عید مبارک کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔

جب میں لنڈن سے جدا ہو رہا تھا تو لنڈن کی جماعت کے مرد اور عورتیں بڑے درد سے کہہ رہی تھیں اور کہہ رہے تھے کہ یہ عید آپ ہم سے الگ کریں گے۔ میں نے بعض کو جواب دیا میرے وہ پیارے بھی تو ہیں جو پاکستان میں ترس رہے ہیں، میں ان کے ساتھ مدت سے عید نہیں کر سکا ان کا بھی تو خیال کرو! آج تو یہ ایسا دور آ گیا ہے کہ میں جہاں بھی عید مناؤں گا آپ بھی ایک رنگ میں شامل ہو جائیں گے اور پاکستان والے بھی شامل ہو جائیں گے لیکن لمبا عرصہ تک انہوں نے جدائیاں دیکھی ہیں اور قربانیاں پیش کی ہیں۔ پس خلیفہ وقت تو ایک ہی ہوگا جب بھی ہوگا۔ جماعت نے تو عالمگیر ہونا ہے اور ہوتے چلے جانا ہے پس وہ جہاں بھی ہو سب کا سانجھا ہے، سب کے ساتھ ہے۔ جسمانی طور پر نہیں تو روحانی اور قلبی طور پر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا ہے آپ کے ساتھ ہی رہے گا۔ اللہ آخرت میں ہمارا ساتھ اکٹھا رکھے۔ اب آیئے ہم دعا میں شامل ہو جاتے ہیں۔

حضور نے خطبہ ثانیہ سے قبل دعا کروادی، دعا کے بعد فرمایا:

آخری دعا میں خطبہ ثانیہ رہتا ہے میں دعا پہلے کروا بیٹھا۔ اب میں خطبہ ثانیہ پڑھوں گا اس کے بعد پھر ختم ہوگا یہ مضمون اور میں آپ سب کو عید مبارک کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی یہ عید بھی

اور آئندہ بھی ساری عیدیں مبارک فرمائے اور اس عید کے سبق ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری آئندہ نسلوں میں بھی یہ سبق ہمیشہ عملی طور پر ان کی زندگی کا جزو بن کر ہمیشہ باقی رہیں۔

بوسنیا کے متعلق آپ نے دیکھا ہے کس دردناک حالت میں وہ لوگ ہیں۔کل یہاں تقریباً چار ہزار کے قریب بوسنینز (Bosnians) پہنچے ہوئے تھے اور بہت ہی مفلوک الحال ہیں اس لحاظ سے کہ اپنا سب کچھ لٹا کر آئے ہیں لیکن بڑے صابر ہیں اور ان میں بھی حلم کے آثار نظر آتے ہیں۔ بہادر قوم ہے، قربانیوں میں اپنے آپ کو خوشی سے آگے بڑھاتے ہیں۔قربانیاں پیش کر چکے ہیں، مزید قربانیوں کی تمنا رکھتے ہیں۔ جب بھی ان کو کوئی اچھی چیز دی گئی ہے انہوں نے کہا ہمیں اس کے بجائے ہتھیار دو، گولیاں دو کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے وطن پر قربان ہو جائیں لیکن ہمارے پاس کوئی چیز نہیں جس سے دفاع کر سکیں اور ہمارے پاس کوئی گولی نہیں ہے، کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ایک دعا کا ہتھیار ہے جو سب ہتھیاروں سے بالا ہے، سب ہتھیاروں سے زیادہ طاقتور ہے۔ پس ان دعاؤں کے ہتھیاروں کے ذریعہ ان کی مدد فرمائیں اور بہت خصوصیت سے ان لوگوں کو دعا میں یاد رکھیں۔آج احمدی کی دعا اگر ان کی شامل حال نہ ہو تو دنیا کی سب قوموں نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ایک ہی سہارا ہے اور وہ ہماری دعا کا سہارا ہے۔اس میں ان کو یاد رکھیں اور جو کوائف اکٹھے کرنے کے لئے میں نے بار بار جماعت کو ہدایتیں دیں تھیں ابھی تک پوری طرح اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔اب میں نے ذیلی تنظیموں کے سپرد یہ کام کیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ سب دنیا میں جہاں جہاں بھی ہدایتیں پہنچی ہیں وہ اس طرح بوسنینز (Bosnians) کے متعلق اعداد و شمار جلد از جلد اکٹھے کر کے مرکز کو بھجوائیں۔اب میں خطبہ ثانیہ کے بعد اس مضمون کو ختم کروں گا دعا پہلے ہی ہو چکی ہے۔

حضور نے خطبہ ثانیہ ارشاد فرمایا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر رخصت ہوئے۔